محمد بدر عالم*

”کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی“
[افتراق وتفریق کا فکری، نفسیاتی اور سماجی تجزیہ-۲]

11) دیگر مذاہب کے اثرات: خارجی اثرات نے بھی بہتوں کو گمراہ کیا۔ اسلام جزیرہ عرب سے باہر نکلا تو بجلی کی سی رفتار سے بڑھنے لگا۔ غیر اقوام ومذاہب کے لوگ جو غلط عقائد پر اپنی عمریں گذار چکے تھے۔ ترک مذہب کر کے داخل اسلام ہوئے تو لاشعوری طور پر سابقہ اثرات بھی ہمراہ لائے کئی مسائل جوان کے دماغی سانچے میں ماقبل اثرات کی وجہ سے درست نہ بیٹھے تو انہوں نے ان کی نئی تعبیر پیش کر دی۔ انہی لوگوں سے مسلمانوں کا اختلاط ہوا تو ان کے عقائد ورسوم کا بہت کچھ اثر ان مسلمانوں نے بھی قبول کیا جو لاعلم یا کم علم تھے۔ ایسے ہی اثرات اس وقت بھی مرتب ہوئے جب غیر اقوام کی کتابیں مسلمانوں کے مطالعے میں آئیں۔ جن لوگوں کو علم میں رسوخ حاصل تھا انہوں نے صحیح کو غلط سے تمیز کر لیا جو رسوخ فی العلم سے بے بہرہ تھے غیر محسوس طور پر ان کے دماغ ان کی سمیت سے متاثر ہوتے گئے۔ یہی زہر منہ کے راستے باہر کو اُبلا اور جہاں جہاں اس کے چھینٹے پڑے وہاں وہاں کی فضا مسموم ہوتی گئی۔ متحدہ ہندوستان میں غالب ہونے کے باوجود مسلمانوں نے ہندوؤں کے بہت کچھ اثرات قبول کیے۔ اس عہد میں کئی فتنے اٹھے جو اسلام اور ہندومت کے ملغوبہ تھے۔ برطانوی راج کے دوران نیچریت اور دہریت کے اثرات نے مسلمانوں میں راہ پائی اور فتنہ وفرقہ کا بازار گرم کیے رکھا۔ ہندوانہ عقائد ونظریات کی چھاپ تو تقریباً تمام ہی معاشرے پر ہے۔ مگر انگریزی تعلیم یافتہ کے عقائد پر مستشرقوں کا بھی بہت بڑا اثر ہے۔ ان کا جائزہ لے کر اس حقیقت کا بخوبی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

12) سیاسی اختلاف: سیاسی وانتظامی امور میں اختلاف بھی فرقہ بندی کا سبب بنا۔ ابتداء میں وجہ اختلاف سیاست تھی۔ زور پیدا کرنے کیلئے ان پر مذہبی رنگ چڑھایا گیا اور آخر کار یہ اختلاف فرقہ بندی میں ڈھل گیا۔

13) دقت پسندی: بعض طبائع فطرتاً دقت پسند ہوتی ہیں۔ بال کی کھال اتارنے والی۔ دقت پسندی حدِ اعتدال میں رہے تو خوبی ہے۔ اس سے مسئلے کا ہر پہلو نکھر جاتا ہے۔ معمولی جزئیات تک بھی روشن ہو جاتی ہیں۔ فقہی قانون سارے کا سارا اور فقہ حنفی خاص طور پر دقت نظر کی بہترین مثال ہے۔ جب ایک قدم آگے بڑھا کر یہ حدودِ عقائد میں پہنچتی ہے تو سارا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ عقائد پر اس طرح ایمان لانا ہی سلامتی ہے جس طرح وہ قرآن وسنت میں وارد

ibntaqi1970@gmail.com *

ہوئے۔ یہی ایمان بالغیب کا لطف ہے۔ دقت پسند طبیعت جزئیات سمیت انہیں حلقۂ عقل میں لانے کی کوشش کرتی ہے جو کہ ممکن نہیں اس لیے جو دامِ عقل میں آئے وہ عقیدہ بن جاتا ہے جو باہر رہے اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ پھر چونکہ فہم اور قوتِ ادراک ہر ایک کی یکساں نہیں اس لیے نتائج میں لازماً اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

14) ذوقِ اختلاف: ذوق میں افراد باہم دگر مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی ایک کا ذوق ایک چیز کو پسند کرتا ہے اور ایک کی طبیعت دوسری چیز کو۔ ان کے معتقدین تک یہ ذوق اس طرح پہنچتا ہے کہ وہ اس کو دین کی ایسی اصل قرار دے دیتے ہیں جس سے انحراف گناہ ہو۔ یوں نوبت اختلاف سے تفریق تک پہنچتی ہے۔

15) غلو: اس کا مطلب ہے احکام کی درجہ بندی میں طبعی شدت کی وجہ سے ردو بدل کرنا۔ مندوب کو فرض اور مکروہ کو حرام بنا دینا۔ غلو کے زیادہ تر مظاہر زہد وتقشّف کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ بر بنائے احتیاط، سداً للذ رائع یا کسی دوسری وجہ سے لوگ مستحب کے ساتھ واجب کا مکروہ کے ساتھ حرام کا معاملہ کرتے ہیں۔ مگر اس کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ بعد کے لوگ سب سے قطع نظر کرتے ہوئے اس عادت کو عقیدہ بنا لیتے ہیں۔ غلو جس طرح فرقہ بندی کا سبب ہے، اسی طرح فرقہ واریت کا بھی اہم عنصر ہے۔ غلو کو شدت پسندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اگرچہ دونوں میں قدرے فرق ہے۔ غلو پسند آدمی وہ ہوتا ہے جو مستحب کے ساتھ فرض اور مکروہ کے ساتھ حرام کا اعتقاد رکھے، غیر لازم کو لازم بنا دے اور شدت پسند جو ہر معاملہ انتہائی نظر سے دیکھے۔ غالی آدمی جس سے اختلاف کرے وہ اختلاف بڑھ تو سکتا ہے کم ہونا بہت مشکل ہے۔ فرقہ واریت مٹانے کے لیے نرمی اور اعتدال بہت ضروری ہے جن کا غالی آدمی میں قحط اور فقدان ہے۔ غلو کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جاہل لوگ پیشوا بن جاتے ہیں جو کہ احکام کے شرعی مقام سے ناآشنا ہوتے ہیں اور بمطابق حدیث خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ان غالی اور متشدد لوگوں کا عمل دیکھ کر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عمل اسی طرح ہی شارع کی مرضی اور حکم شرعی ہے۔

غلو اجتہادی وانتظامی امور میں اختلاف آراء کو تفریق تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی تفریق پھر اس وقت نفرت وعداوت میں بدل جاتی ہے جب کوئی فریق اپنی رائے اور سوچ کو حرف آخر اور دوسرے فریق کی رائے کو بہر حال غلط سمجھتے ہوئے اس پر جدال ومخاصمت کا راستہ اختیار کرتا اور دوسرے فریق کے خلاف پیالی میں طوفان کھڑا کر دیتا ہے اس کی مثال میں سپاہ صحابہ اور جے یو آئی کا اختلاف پیش کیا جا سکتا ہے۔

16) شدت پسندی: شدت پسندی فرقہ واریت کا جزو اعظم اور رکنِ رکین ہے۔ شدت پسندی کیا ہے؟ یہی کہ جو مقام نرمی کا مقتضی ہے وہاں سختی کی جائے۔ جہاں جتنے سخت ردِ عمل کی ضرورت ہے اس سے بڑھ کر سختی کی جائے۔ ہر معاملہ انتہائی نظر سے دیکھا جائے۔ شدت قول وعمل سے جھلکتی ہے اور قلب ونظر سے ٹپکتی ہے۔ زبان سے سخت الفاظ استعمال کرنا اور حکم عائد کرنے میں سختی کرنا شدت پسندی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کی طرح کفر، فسق، الحاد زندقہ، ارتداد اور بدعت بھی اسلام کے احکام ہیں جن کے مخصوص ومتعین معنی ہیں۔ ان کے استعمال کے مخصوص مواقع ہیں جنہیں استعمال کرنے میں حدود کا خیال کرنا بہت ضروری ہے۔ اکثر لوگ ان حدود کا خیال نہیں کرتے۔ ان میں تساہل برتنا بھی اگرچہ درست نہیں مگر تشدد اختیار کرنا اس سے بڑا فتنہ ہے۔ مولانا گنگوہیؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا

اور بالکل بجا فرمایا تھا کہ تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔ بدعت کو بدعت نہ کہنا اگر غلطی ہے تو غیر بدعت کو بدعت بنا دینا بھی بہت غلط ہے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ فاسق کے ساتھ کافر کا اور مبتدع کے ساتھ مرتد کا سلوک کیا جاتا ہے مثلاً جن باتوں سے کفر لازم نہیں آتا ان پر بھی پکا ٹھکا کافر بنا دینا یا مثلاً جو لوگ امام کے پیچھے قراءت فاتحہ کے قائل نہیں یا رفع یدین نہیں کرتے، ان کی نمازیں فاسد ہونے کا حکم لگا دینا یا مثلاً جو گیارہوں بارھویں کرتے اور محفل میلاد مناتے ہیں، انہیں مشرک کہنا اور جو اس کے قائل نہیں، انہیں گستاخ رسول اور منکر اولیاء کہنا شدت پسندی کی مثالیں ہیں۔ اعتدال بہترین راستہ ہے مگر افسوس کہ معدودے چند لوگوں کے سوا کوئی بھی اس پر کاربند نہیں رہتا۔ بالخصوص وہ دو گروہ جن کی باہمی چپقلش جاری ہو، وہ فتویٰ بازی میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ مثلاً مسئلہ سماع موتی اور توسل بالذوات الصالحہ وغیرہ میں ایک دوسرے کے خلاف جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس کے کیا ہی کہنے۔ یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ غایت شدت پر مبنی درج ذیل فتویٰ ملاحظہ کریں۔

''ایسے ہی وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد (اور) انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولدالزنا۔'' (ملفوظات ص ۱۰۵، ج ۲)

سختی وشدت کا وفور اور کلام کا لہجہ دیکھئے۔ یوں کہنے سے بھی مطلب حاصل ہو جاتا کہ نیچری چکڑالوی وغیرہ مرتد ہیں، ان کا کسی کے ساتھ اور کسی کا ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ لیکن افسوس کہ شدت وغضب میں مفتی صاحب حد سے گذر کر یوں فرمانے لگے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ان کا نکاح جائز نہیں۔ ایسی شدت سے اللہ بچائے۔ غور کرنے کی بات ہے، کیا انسان کا جانور سے نکاح اسلام یا کسی بھی آسمانی شریعت میں جائز ہے؟ بہر حال ہمیں شدت پسندی کا ایک نمونہ دکھانا مقصود تھا۔ ایسے ہی رخصت کے پہلو کو ساقط کر دینا مخالف کی وضاحت کو یا اس کی مراد اور تاویل کو اگر چہ صحیح بھی ہو قبول نہ کرنا، حتی الوسع مسلمانوں کو کافر بنانے کی کوشش کرنا شدت پسند طبیعتوں کو بہت مرغوب ہے۔ شدت کا اظہار زبان اور تحریر کے علاوہ عمل سے بھی ہوتا ہے۔ شدت پسند لوگ اختلافی مسائل حل کرنے کے لیے بھی مخالف سے مل بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے۔ دلائل کے بجائے تحکم اور ماردھاڑ کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو ابھارتے ہیں کہ وہ مخالفین سے مقاطعہ بلکہ ان کو قتل کر دیں۔ انہیں اگر طاقت مل جائے تو گناہ گار اور بے گناہ پر یکساں استعمال کرتے ہیں۔ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرتے۔ شدت پسندی مزاج، غیض وغضب یا کسی سازش کا نتیجہ ہو سکتی ہے وجہ جو بھی ہو فرقہ واریت پھیلانے میں اس کا اہم ترین کردار ہے۔

17) تعصب: تعصب ایک بری عادت ہے جو افتراق وتفریق کا سبب بنتی ہے۔ اس کا مطلب ہے غلط ہونے کے باوجود اپنی بات کی پچ کرنا یا ناحق اپنی قوم ومسلک کا دفاع کرنا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف کے حق پر ہونے کے باوجود اس کی تردید کی جاتی ہے اور قبول حق سے ابا کیا جاتا ہے۔ یہ جاہلی عصبیت آج بھی فرقوں میں زور وشور سے پائی جاتی ہے۔ دوسروں کو اگر چہ وہ صحیح ہوں گھٹانے کی اور خود کو اگر چہ کسی مسئلے میں غلط ہوں بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور خدانخواستہ مخالف سے کوئی غلطی ہو جائے تو پھر تو بہ ہی بھلی، آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے یوں باور کرایا جاتا ہے گویا اس کے سوا کبھی کسی

نے غلطی نہیں کی اور یہ غلطی تو اتنی بڑی ہے کہ اس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ غیروں کے یہ خوردہ گر اپنی غلطیوں کو مٹانے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس پر بات بڑھتی ہے اور فرقہ واریت جنم لینا شروع کر دیتی ہے۔

18) حسد: حسد بھی فرقہ واریت کا مخفی سبب بن جاتا ہے۔ خصوصاً اس شخص کے لیے جو کسی مسلک کا پیشوا ومقتدا ہو کہ وہ اندرونی زہر فرقہ واریت کے راستے باہر نکالتا ہے۔

19) ذرائع ابلاغ تک رسائی: یہ ذرائع فرقہ واریت پیدا نہیں کرتے ہاں اس تندور کو گرم کرنے میں استعمال ضرور ہوتے ہیں۔ کب؟ جب متشدد، متعصب، غالی، بدخلق، حاسد، بدفہم اور سازشی عناصر ان تک رسائی حاصل کر لیں۔ اصل کتاب میں انسانی ذہن پر میڈیا کی کارفرمائی اور تسخیری قوت کی کرشمہ سازیاں قدرے بیان ہو چکی ہیں۔ یہ ایک طاقت ہے جو مذکورہ کردار کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو صاعقہ آسمانی سے زیادہ خطرناک اور ایٹم بم سے زیادہ دھماکہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے مذموم مقاصد کا حصول ممکن بنایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ذرائع رسل ورسائل اور محراب ومنبر بھی میڈیا کا حصہ ہیں۔

20) حساسیت: فرقہ واریت میں اس کا بھی ایک کردار ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب دو آدمی باہم اختلاف کرتے ہیں تو قطع نظر اس سے کہ کون صحیح اور کون غلط ہے، دونوں کی الگ شکل اور ایک نیا تشخص پیدا ہو جاتا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک اضطراری طور پر چاہتا ہے کہ کہیں کسی موقع پر اس کا یہ تشخص مجروح نہ ہونے پائے کیونکہ یہ تشخص مجروح ہونے کی صورت میں اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میرے مخالف کی پوزیشن اپ ہوگئی ہے اور یہ ''غلط'' آدمی یا گروہ بالادست ہو کر سامنے آ رہا ہے۔ میں یا میرا گروہ دب گیا ہے، ہو سکتا ہے لوگ اس طرف نہ جھک پڑیں۔ خاص طور پر اس وقت جب دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے یہ اختلاف عوام تک پہنچ جائے تو اس وقت یہ احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ ہر فریق احقاق اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے گرداب میں غوطے کھانے لگتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کبھی اختیاری اور کبھی اضطراری طور پر اس تشخص کو برقرار اور نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً جا و بیجا اس کو بیان کرنا، اس پر کتب ورسائل تالیف کرنا و کروانا اس پر شدت اختیار کرنا۔ مخالف کی تقریر، جلسہ واجتماع کو برداشت نہ کرنا، جواب اور جواب الجواب ضروری سمجھنا، پمفلٹ اور ہینڈ بل شائع کرنا، مخالف اور اس کے حلقے سے ہر تعلق منقطع کر لینا، اس کی ہر بات کو اسی اختلاف کی طرف مشیر سمجھنا۔ اس حساسیت میں یہاں تک اضافہ ہوتا ہے کہ پھر اس اختلاف کے حوالے سے کوئی چیز برداشت نہیں ہوتی۔ رفتہ رفتہ وہ اسی تشخص سے معروف ہو جاتا ہے۔ یہی صورت تفریق میں بھی پیش آتی ہے اور اس وقت بھی جب کوئی شخص کسی ایسے مسئلے کے خلاف آواز بلند کرتا ہے جو مروج ہو مگر ثابت نہ ہو۔ اس کے ذہن میں ہر وقت یہی بات گردش کرتی رہتی ہے کہ ہر شخص کے دل میں اتنی حقیقت کیسے اتار دی جائے کہ وہ اس سے روگردانی نہ کر سکے۔ حساسیت کا مطلب کسی چیز کی قدر جواز کو بھی ممنوع قرار دینا بل کہ اس کے اسباب بعیدہ کو بھی حکم میں اس کے ساتھ نتھی کرنا ہے۔

حساسیت زدہ افراد اس ضرب المثل پر عمل کرتے ہیں:

نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

یا اس شعر پر عمل پیرا ہوتے ہیں

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

یاد رہے کہ بطور سد ذرائع کے کسی چیز پر پابندی عائد کرنا امر دیگر اور خارج از بحث ہے۔ سد ذرائع کا مطلب کسی امر ممنوع تک پہنچنے کے جو ذرائع ہیں انہیں مسدود کر دینا۔ مثلا اصل حرمت شراب استعمال کرنے کی ہے۔ یہ ممنوع ہے جس تک پہنچانے کے دیگر کئی ذرائع کو بھی حکم میں اسی کے ساتھ نتھی کرتے ہوئے حرام قرار دے دیا گیا۔ مثلاً شراب بنانا بھی حرام، شراب بیچنا بھی حرام، شراب لاد کر لیجانا بھی حرام، یہ تمام کام کرنے والے بھی گنہ گار اور مرتکب حرام۔ مگر ایسا نہیں کہ اس سے بچنے کے لیے انگور، کھجور، گندم یا جو کی کاشت کو ناجائز کہا گیا ہو، یا سرکہ اور نبیذ بنانا بھی حرام قرار دیا گیا ہو۔ سلسلہ شراب میں جو امور ممنوع ہیں ان تمام میں شراب بالفعل موجود ہے۔

21) مضبوط مرکز یا خلافت کا نہ ہونا: یہ تفریق کی اہم وجہ ہے جب خلافت باقی تھی اور مضبوط مرکز مسلمانوں کو حاصل تھا اس وقت یہ تفریق نہیں تھی جو آج کل دکھائی دیتی ہے اور جو تھی وہ بھی اندر ہی اندر تھی اس پر مرکزیت کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ کیوں کہ خلافت کا حکم اور رعب ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا۔ دین کی اشاعت اور حفاظت کے تمام انتظامات خلافت کی ذمہ داری تھی۔ خلفاء کے حکم پر قتال ہوتا، تبلیغ ہوتی، تعلیم و تدریس ہوتی اور انہی کی طرف سے فتوی دینے نہ دینے کا اختیار ملتا۔ قانون اسلامی تھا، فیصلے اس کے مطابق ہوتے۔ جو گروہ تفریق کے ذریعے ملت کو متفرق کرنے کی کوشش کرتا اس کی مناسب سرکوبی کی جاتی۔ علماء، خانقاہوں اور مدارس کے انتظام کی اکثر خلافت ہی کفیل ہوتی۔ دشمنوں پر حملہ کر کے زمین فتح کی جاتی سیاسی طور پر وہاں تسلط حاصل کیا جاتا اس کے بعد علماء وصوفیاء آگے آتے جو وہاں کے لوگوں میں اسلام کا بیج بوتے اگر کوئی عالم یا صوفی کسی ایسے علاقے میں چلا جاتا جہاں اسلامی حکومت نہ ہوتی تب بھی زیادہ خطرہ اس لیے محسوس نہ ہوتا کہ پیچھے ایک مضبوط حکومت کی پشت پناہی ہوتی۔ یہ بات صرف خلافت سے مختص نہ تھی بلکہ جو سلاطین اسلام خلافت کے ماتحت ہوتے وہ بھی اس سب کا خیال کرتے۔ ان کے اٹھتے ہی مسلمان تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری اور کئی جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔

کچھ وہ تھے جنہوں نے اس سب کو گویا تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے، کچھ وہ تھے جنہوں نے ان حالات کا مطالعہ کیا اور زوال وادبار سے نکلنے کی سوچی ہر ایک کا مطالعہ اور فہم اسے ایک سبب کی طرف لے گیا۔ ایسے لوگ بھی تھے اور اب تک بھی ہیں جنہوں نے سوچی سمجھی منصوبہ بندی سے کوئی کام نہیں کیا بلکہ حالات کے دھارے پر بہتے رہے اور حالات کا جو تقاضا سامنے دکھائی دیا، اس کے مطابق کام کر گزرے۔ مثلاً بعض لوگوں نے اشاعت اسلام سے حفاظت اسلام کو مقدم سمجھا اور کوشش کی کہ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن محفوظ رہے۔ اس کی خاطر انہوں نے دینی تعلیم و تعلم کو اہمیت دی، کچھ نے عصری تعلیم اور مغربی تمدن کو ضروری قرار دیا اور اس کے حصول کی کوششوں میں لگ گئے۔ یہ دونوں الگ الگ گروپ بن گئے۔ کسی نے تزکیہ نفس کی کمی کو سبب جانا اور اس میں لگ گئے اور یوں خانقاہی لوگوں اور گدی نشینوں کا ایک الگ گروہ وجود میں آ گیا۔ بعض نے معاشرے پر نظر دوڑائی اور معاشرتی دینی تنزل کو دیکھتے ہوئے اصلاحی جماعتوں کی نیو اٹھائی۔ یہ اصلاحی کوششیں کرنے والے ایک علیحدہ جماعت میں بٹ گئے۔ ان جماعتوں میں سے بعض نے اصلاح عقائد کو اہمیت دی بعض نے اصلاح اعمال کو اور ان میں سے ہر ایک

الگ الگ جماعتوں میں بٹتا چلا گیا۔ پھر یہ مصلحین بھی دو طرح کے تھے، متشدد اور متساہل۔ اس لحاظ سے بھی گروپ بندی ہوئی۔ فرقہ بندی کے جو اسباب میں پہلے بیان کر چکا ہوں خلافت کی کمزوری اور خاتمے سے وہ نمایاں ہو گئے۔ برساتی مینڈکوں کی طرح نت نئے نظریات جنم لینے لگے۔ بعض نے ان کا ازالہ مقدم سمجھا اور وہ ان کے ابطال میں لگ کر ایک جماعت بن گئے۔ بعض نے سیاسی زیردستی کو مسائل کی جڑ سمجھا اور وہ سیاسی بالادستی حاصل کرنے کے لیے متوجہ ہوئے۔ یہ بھی تین طرح کے تھے۔ ایک، فاتح قوم کی عادات وتہذیب اپنانے والے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ دوم، سیاسی اور قانونی جد جہد کرنے والے۔ سوم، جہاد وقتال کو ذریعہ بنانے والے۔ ہر ایک مستقل گروہ بن کر سامنے آیا۔

ہر گروہ نے اپنی پوری طاقت اس کام میں لگا دی جو وہ کر رہا تھا۔ کہیں کہیں انہوں نے تھوڑا بہت ایک دوسرے کا ساتھ بھی دیا یا اپنے شعبے کے ساتھ دوسرے شعبے کا کام بھی کیا مگر وہ وقتی اور ثانوی تھا۔ چوں کہ تمام شعبے ہی دین کے تھے اس لیے ہر شعبے سے متعلق تاکیدات وفضائل بھی قرآن وسنت میں موجود تھے۔ اسلاف میں ان کے مطابق عمل کرنے والے بزرگوں کی زندگیاں بھی سامنے تھیں اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کے لیے ان کی اشاعت بھی ضروری تھی۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک اپنے شعبے ہی کو مدار دین جاننے لگا۔ مگر یہ رفتہ رفتہ ہوا۔ ابتدا میں چوں کہ مخصوص جماعتی سانچہ مضبوط نہیں تھا اسلئے دوسرے شعبوں کی تحقیر ومذمت بھی نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ کام آگے بڑھا۔ ایک ہی رخ پر مسلسل کوشش کرنے سے دماغ پر دین کا ایک خاص سانچہ مسلط ہو گیا جس سے اپنے شعبے کے تفوق اور دوسرے شعبے کی حقارت نے جنم لیا۔ اسی طرح جب انہوں نے اپنے کام کے فوائد کو دیکھا تو ان کی نظر انہی پر گڑ گئی اور ان جزوی فوائد ہی کو وہ کل دین کا فائدہ سمجھنے لگ گئے۔ اور اس کے بالمقابل جو نقصان تھا وہ انہیں نظر نہ آیا یا قابل التفات نہ ٹھہرا۔ پھر چوں کہ ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ کام کرنے والے ملیں مگر ہر شخص کی ذہنی اپچ ایک جیسی نہیں بل کہ جدا جدا ہوتی ہے، اس لیے مثلاً دس جماعتیں اگر کام کر رہی ہیں ایک یا دو تین افراد اپنی اپچ کے اعتبار سے ایک کی طرف آئیں گے اور 7، 8، یا 9 افراد دوسری جماعتوں کی طرف جائیں گے۔ یہ ایک نقصان تھا اور اس ممکنہ نقصان سے بچنے کے لیے بھی ضروری تھا کہ دوسرے شعبے کی حقارت اور اپنے تفوق کا مسئلہ اٹھایا جائے۔

دین کے مخصوص سانچے نے جماعتوں کی دوسری نسل پر زیادہ اور تیسری نسل پر بہت زیادہ غلبہ پالیا۔ ایک انتہا پر جانے کا جو عمل پہلی نسل سے شروع ہوا تھا وہ تیسری پر جا کر مکمل ہو گیا اور جماعتیں بالکل ایک دوسرے سے دور ہو گئیں۔ مثلاً دیکھیے جمعیت علماء ہند کی پہلی نسل حضرت شیخ الہند، حکیم اجمل اور ڈاکٹر انصاری اور دوسری نسل حضرت مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ، حضرت شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد صاحب وغیرہ اور تیسری نسل مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحق اور مولانا احتشام الحق تھانوی وغیرہ۔ تبلیغی جماعت کی پہلی نسل حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کا اپنا زمانہ دوسری نسل حضرت جی کا دور اور اس کے بعد سے تیسری نسل مولانا انعام الحسن، مولانا محمد عمر پالن پوری اور موجودہ تبلیغی علماء۔ سپاہ صحابہ کی پہلی نسل مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا ایثار القاسمی، دوسری نسل مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا اعظم طارق اور تیسری نسل اب موجودہ قیادت۔ اگر آپ غور وفکر سے کام لیں تو جماعتوں کی مخصوص نفسیات اور سانچے پر کام ایک مستقل موضوع ہو سکتا ہے۔

افتراق وتفریق کے یہ اسباب تھے جو میرے ناقص مطالعے میں آئے اور میں نے انہیں صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ یاد رہے کہ تفرقہ ہمیشہ عداوت کے ساتھ ہوتا ہے اور اختلاف دیانت کے ساتھ معرض وجود میں آتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف رونما ہوتا رہتا تھا مگر تفرقہ اور تفریق نہیں پیدا ہوتی تھی۔ خلاف ہوتا تھا، مخالفت نہیں ہوتی تھی۔ افتراق وتفریق کے کئی دیگر علمی اسباب بھی ہوتے ہیں جن سے میں نے تعرض نہیں کیا۔ مثلاً اختلاف تاویل وتفسیر یا ضعیف روایات، شاذ و مرجوح اقوال کو مدار بنانا۔ جزئی کو کلی اور اصول فکر بنا لینا، منشائے کلام کو نہ سمجھنا اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت نہ رکھنا وغیرہ۔

افتراق وتفریق کے نتائج: افتراق وتفریق دراصل اپنے بھیانک نتائج کی وجہ سے ہی زیادہ خطرناک ہیں۔ غور کرنے سے ان کے تین بڑے خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں:

(1) دوسروں کی تحقیر ومذمت: افتراق وتفریق سے صرف دوسری جماعتوں اور گروہوں کی حقارت اور مذمت ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ کبھی بات اس سے آگے بڑھ کر دین کے دوسرے شعبوں تک پہنچ جاتی ہے اور جو شخص جس شعبے میں کام کر رہا ہے، وہ اپنے جماعتی تفوق کی نفسیات میں باقی شعبوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتنی خطرناک سوچ ہے۔ دوسری جماعت یا گروہ کی حقارت ومذمت کرنا بد خلقی کے زمرہ میں آتا ہے۔ فرقہ بندی میں تو چلو کسی درجے میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ جب ایک فرقہ کسی کے نزدیک دین کا مخالف ہے تو اسے فوقیت کیسے دی جائے اور اس کی تعریف کیسے کی جائے مگر تفریق میں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ فرقہ بندی، فرقہ واریت اور تفریق کے تمام اسباب کو اگر سمیٹا جائے تو انہیں دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے: اخلاقی کمزوری اور سازشیں۔ تہذیب وشائستگی سے عاری افراد فرقہ واریت پھیلانے اور تفریق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گو کہ اس اخلاقی نقص کا شکار عوام اور علماء دونوں ہی ہوتے ہیں مگر عوام کے ذہنوں میں یہ ناشائستگی اور بد تہذیبی ان لوگوں کی طرف سے اترتی ہے، جو پیشوائی کا شرف رکھتے اور محراب ومنبر کی زینت ہوتے ہیں۔ ہر فرقے اور گروہ میں ایسے علما وزعما موجود ہوتے ہیں جو احقاقِ حق کے نام پر مسلمہ تہذیب وشائستگی کا جنازہ نکال دیتے ہیں، فرقہ واریت کی آگ بھڑکاتے ہیں اور قوم کو تفریق در تفریق کے پاٹوں میں پھنسا دیتے ہیں۔

افسوس کہ جن حضرات کو علم کی شرافت اور بزرگی حاصل ہے وہ اپنے عمل سے اس شرافت کو بٹہ لگاتے ہیں۔ ٹھیک ہے کوئی فرقہ کسی کی نظر میں تارک قرآن وسنت ہو تو ہو مگر خود کو تو وہ عامل بالکتاب والسنۃ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق صادق ہی سمجھتا ہے اور تعجب ہے کہ خود ہی اس بھرم کو توڑ دیتا ہے۔ قرآن وسنت کا علم رکھنے والے انہی کے نام پر کیسے ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

لایجرمنکم شنآن قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا

''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل نہ کرو (خبردار) عدل سے کام لینا۔''

اور فرمایا:

لاتنابزوا بالالقاب بئس لاسم الفسوق بعد الایمان۔

''ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو، ایمان کے بعد فسق کا نام ہی برا ہے۔''

یہاں تک ارشاد ہوتا ہے:

لاتسبواالذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدواً بغیر علم

''(کفار ومشرک) اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں۔ انہیں گالی نہ دو (کیونکہ) پھر دشمنی کرتے ہوئے لاعلمی سے وہ (حقیقی معبود) اللہ کو گالی دیں گے۔''

اور فرمایا:

ادع الی سبیل ربك بالحکم والموغط الحسنہ وجادلم بالتی ھی احسن

''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور (اگر ان سے بحث ومناظرہ کی نوبت آ جائے تو) اچھے طریقے سے ان سے بحث کر۔''

اور کہتا ہے:

لاتستوی الحسنہ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن

''نیکی اور برائی برابر نہیں برائی کو اچھے طریقے سے دور کرو۔''

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

رسول خداؐ نے پتھروں کے جواب میں کیا طرزِ اختیار کیا۔ آپ کو برے ناموں سے پکارا گیا آپ نے جواب میں کیسا ردِعمل دیا؟ تعجب کی بات ہے کچھ حضرات دوسروں کے بزرگوں کو یہ کہہ کر برا بھلا کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو پہلے انہوں نے برا کہا ہم ردِعمل میں ایسا کر رہے ہیں۔ گویا مخالف اگر بھونکا ہے تو جواب میں ہم بھی بھونکیں گے۔ پھر دونوں میں فرق کیا رہا؟ ادب مانع نہ ہوتا تو میں کھل کر اس پر کلام کرتا۔ فرقہ واریت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ مولانا طارق جمیل صاحب بیان فرما رہے تھے کہ میں ایک سلسلے میں کسی کے گھر گیا۔ وہاں دیگر لوگ بھی موجود تھے۔ ایک بوڑھے بزرگ سے مصافحہ کرنا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیے کہ تم وہابی ہو۔ فرقہ واریت کا اثر یہ ہے کہ تبلیغی جماعت بریلویوں کی مسجد میں چلی جائے تو وہ انہیں نکالتے ہی نہیں، مسجد بھی دھوتے ہیں۔

فرقہ واریت اور تفریق کے نتیجے میں مطلع ابرآلود اور فضا مکدر ہو جاتی ہے۔ فرقوں اور جماعتوں میں باہم سر پھٹول رہتی ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ بیانات داغے جاتے ہیں، رسالے لکھے جاتے ہیں، کتابیں تالیف ہوتی ہیں۔ اس کو اسلام کی بہت بڑی خدمت تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر کوئی مقرر مخالف فرقے کے لیے نرمی سے کام لے یا تہذیب کے دائرے میں رہ کر تقریر کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اچھی تقریر نہیں کی، دوبارہ اسے بلانے سے توبہ کر لی جاتی ہے۔ قدر و قیمت اسی خطیب کی ہوتی ہے جو مخالف کو خوب للکارے، اس کا کچا چٹھا کھولے اور بہت سی ناگفتنی کام میں لائے۔ معلوم نہیں یہ کون سا اسلام ہے جس کی بنیاد مسلمانوں کو مخالف سمجھنے اور ان کی تحقیر و مذمت کرنے پر ہے۔ فرقہ پرست لوگ دلوں کو جوڑنے کے بجائے توڑنے کا اور کافروں کو مسلمان کرنے کی بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے کا کام کرتے ہیں۔ میں نے چند ایسے حالات میں اپنے

بعض شدت پسند حضرات سے کہا کہ خیر سے آپ نے احقاقِ حق کر لیا مخالف کو مع شئی زائد جواب دے دیا۔ وہ وہاں، آپ یہاں خوش مگر آپ کی اس روش سے ضد وعناد اور نفرت تو پیدا ہوتی ہے اصلاح نہیں ہوتی۔ اگر وہ غلط ہیں تو ان کی اصلاح آپ کی ذمہ داری ہے اس کیلئے آپ نے کیا سوچا؟ مجھے کوئی خوش کن جواب نہیں ملا۔

اس شدت پسندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان سے کٹنے لگتے ہیں۔ وہی چند لوگ ان کے ساتھ رہ جاتے ہیں جو پوری طرح ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ ان کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کی اصلاح ہو۔ بس اتنا کافی ہوتا ہے کہ ''اپنوں'' میں سے کوئی کٹ کر ادھر نہ چلا جائے، اس لیے خوب خوب دوسرے کی مذمت کرتے ہیں اور اتنی زیادہ گویا کہ اس مخالف سے بڑا دشمن اسلام کوئی ہے ہی نہیں۔ ملک کی عمومی دینی فضا دیکھیں بے دینی کی لہر بڑھتی جا رہی ہے۔ گناہوں کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ کل تک جو برائیاں بڑے شہروں کا خاصہ سمجھی جاتی تھیں۔ آج چھوٹے چھوٹے دیہات تک پہنچ چکی ہیں۔ ہر آنے والا دن اس میں اضافہ کر رہا ہے۔ ایک آدمی سنورتا ہے تو دس بگڑتے ہیں اور یہ اس ملک میں ہو رہا ہے جہاں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے۔ علماء کی کثرت ہے۔ لاکھوں طلباء دینی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہر محلے میں مسجد موجود ہے۔ اس سب کے باوجود ایسا ہو رہا ہے آخر کیوں؟ اگر گذشتہ معروضات آپ کے ذہن میں ہیں تو جواب کچھ مشکل نہیں۔ میں سمجھتا ہوں گنتی کے چند اہل حق علماء کی مساعی نہ ہوتیں تو یہ دینی فضا بھی نظر نہ آتی۔ افتراق وتفریق کے زہر سے مسموم ایسے زعماء کے جلسوں کا آپ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ 98 فیصد وہی لوگ ہیں جو مسلکاً، ذہناً اور مزاجاً ان سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ 2 فیصد وہ ہیں جو ہم مسلک ہیں ہم آہنگ نہیں یا غیر جانبدار ہیں۔ مخالف تو شاید ہزار میں سے ایک ہو۔ 98 فیصد میں سے بھی 85,80 فیصد وہ جو مدارس سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی طلباء ومدرسین۔ اس پر بھی طرۃ یہ کہ ہم سے بڑا خدمت گارِ اسلام شاید کوئی نہیں۔

فرقہ واریت اور تفریق ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ فرقہ پرستی کرنے والیاور تفریق کی خلیج پیدا کرنے والے دنیا آخرت میں مستحق سزا ہیں۔ آخرت کا جو نقصان ہے وہ تو ہے ہی دنیا کا نقصان یہ کہ کفر کو کھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کی جو صلاحیتیں کفر کو مٹانے اور اسلام کی اشاعت وحفاظت میں صرف ہونی چاہئیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لگ جاتی ہیں۔ باہمی چپقلش سے ان کی قوت کمزور ہوتی ہے اور یہ کمزوری بالواسطہ یا بلاواسطہ کفر کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اصل کتاب میں یہ واضح کیا جا چکا تھا کہ مسلمانوں میں دین سے تعلق رکھنے والا طبقہ ہی عالمی کفر اور مسلمان نما منافقوں کا اصل حریف ہے۔ یہ کفار ومنافقین ان کا اتفاق کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ فرقہ بندی ہو یا فرقہ واریت وتفریق، اس کا الزام کسی صورت اس گروہ یا شخص کو نہیں دیا جا سکتا جو حق پر ہونے کے ساتھ ساتھ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتا اور جن اسباب افتراق وفرقہ واریت کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان میں مبتلا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حق کے ساتھ وابستگی اصل ہے اور اصل پر قائم رہنے والا محمود ہی ہے، مجرم وہ ہے جو حق سے گریزاں ہے۔ گرچہ اپنے زعم میں وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں حق پر ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ حق سے کٹنے والا فرقہ واریت میں مبتلا نہ ہو تب بھی ترک حق کی وجہ سے بلحاظ اصل مذموم اور حق پر ڈٹنے والے میں اگر فرقہ واریت یا تفریق میں سے کوئی سبب پایا جائے تب بھی بلحاظ اصل وہ محمود ہے اس کا جرم اگر ہے تو فرعی ہے۔

(2) عصبیت یا تعصب: تفریق کا دوسرا بڑا نقصان جاہلی بدبودار عصبیت کا پیدا ہوجانا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ ابتدا میں تو ایسی بات نہیں ہوتی مگر جیسے جیسے جماعتی سانچہ مضبوط ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اپنی برتری اور دوسرے کی کمتری کے جراثیم بھی پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور برتری کمتری کے اسی احساس سے عصبیت جنم لیتی ہے۔ تفریق کا مارا ہوا ذہن اپنے گروہ کی شان میں قصیدے پڑھتا اور دوسروں کی ہجو کرتا ہے۔ خود کو آگے بڑھاتا اور دوسروں کو گراتا ہے۔ اپنے گروہ کی خامیوں غلطیوں کو چھپاتا اور ان کا دفاع کرتا ہے جب کہ دوسروں پر کیچڑ اچھالتا ہے۔ اپنی غلطیوں کی پچ کی جاتی ہے اور دوسروں کی خامیوں کو اچھالا جاتا ہے۔ اسی کی مانی جاتی ہے جو اپنے شعبے، گروہ اور جماعت سے تعلق رکھتا ہے دوسرے کی بات اگر حق و درست بھی ہو تو اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اگر دو جماعتوں میں کسی موقع پر تعاون ہو جائے تو ان میں سے ہر ایک خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جھنڈوں کے ذریعے، بینروں کے ذریعے، نعروں کے ذریعے، وقت کی تقدیم و تاخیر کے ذریعے۔ کسی دوسری جماعت کے صحیح اور درست کام میں شرکت سے محض اس لیے گریز کیا جاتا ہے کہ جماعتی طور پر اس میں شرکت کا فیصلہ نہیں ہوا۔ حق کو یا کم از کم افضلیت کو اپنی تحریک اور جماعت میں منحصر سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دوسروں کی حقارت دل میں پیدا ہوجاتی ہے یا کم سے کم اس کام کی واقعی وقعت دل میں نہیں رہتی۔ کبھی اس عصبیت میں اتنی شدت پیدا ہوجاتی ہے کہ محض اپنے جماعتی تعصب میں دوسروں کے صحیح کام کی مخالفت کی جاتی ہے۔

اس میں کسی گروہ، مسلک اور جماعت کا استثنا نہیں۔ خود دیوبندی حلقوں میں بیسیوں جماعتیں ہیں جو کہ آپس میں ایک دوسرے سے لگا نہیں رکھتیں۔ جے یو آئی ف اور جے یو آئی س کی دھڑے بندی، خدام اہل سنت کا ہر کام میں الگ تشخص کوئی پردے کی بات نہیں، مرکزی جے یو آئی تھانوی گروپ گو کہ صرف رسالوں کتابوں میں رہ گیا مگر تھانوی حضرات کی طرف سے ابھی تک اس مخالفت کا سلسلہ جاری ہے۔ تحفظ ختم نبوت کا سٹیج جو باہمی اتفاق کا ایک فورم تھا، اول تو وہ بھی تین چار حصوں میں تقسیم ہوگئی، پھر اس میں بھی جزوی اختلافات نے راہ پالی۔ جے یو آئی اور سپاہ صحابہ کی عصبیت ڈھکی چھپی نہیں، تبلیغیوں اور مجاہدوں کی باہمی مخالفت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مجاہدین کی تنظیمیں بے شمار اور ہر ایک دوسرے کی مخالف۔ بعض بزرگوں کی کوششوں سے ان کو متحد کیا گیا حرکۃ الانصار کے نام سے مگر چند ہی سال بعد وہ کارتوس سے نکلے ہوئے چھروں کی طرح پھٹے اور وہ گند اڑایا کہ الامان والحفیظ۔ اب تو خیر سارے ہی کیموفلاج ہو چکے ہیں۔ اشاعۃ التوحید والسنۃ کی اپنی ہی ایک الگ مسجد ہے، نہ ہم کسی کے نہ ہمارا کوئی۔ جے یو آئی اور یہ ہمہ وقت ایک دوسرے سے روٹھے ہی رہتے ہیں۔ پہلے اس کے قائدین تحفظ ختم نبوت کے فورم پر نظر آتے تھے۔ اب نہیں معلوم نہیں یہ ختم نبوت والوں کی تنگ نظری ہے یا اشاعت والوں کی سختی کہ دونوں کے درمیان فاصلے پیدا ہوگئے۔ حیاتیوں مماتیوں کی چپقلش، مخاصمت، مخالفت اور عصبیت بھی ظاہر و باہر ہے۔ اب تو یہ حال ہوگیا کہ علماء کو حیاتی مماتی میں تولنا شروع کر دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں یہ دیوبندی نہیں، یہ کہتے ہیں وہ دیوبندی نہیں۔ بقیہ جماعتوں کا حال بھی یہی ہے۔ دین سے متعلق لوگوں اور اہل حق ہونے کا دعوا کرنے والوں کا یہ حال ہے تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں اور جماعتوں کا حال کیا ہوگا جو دین سے بے بہرہ ہیں۔ جو لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی مل بیٹھنے کو تیار نہیں ان کی بات سننے سمجھنے کے

لیے آمادہ نہیں بلکہ ان کے صحیح کو بھی غلط بنا کر دکھانے والے ہیں وہ کوئی بڑا کام کر سکیں گے؟ کیا انقلاب کا ہراول بن سکیں گے؟ کیا امت کی ناؤ کنارے پر لگا سکیں گے؟

ہر علاقے یا مسجد کے مولوی صاحب اس عصبیت کو بڑھاتے اور اس کی بنیاد پر دوسروں کی مخالفت کا بازار گرم کیے رکھتے ہیں۔ سیاسی میدان میں مولوی صاحب امت کے اجتماعی یا قومی اور عالمی مفاد کو سامنے رکھنے کے بجائے مقامی جماعتی مفاد کو سامنے رکھ کر فیصلے کرتے ہیں اور اس بنیاد پر علاقے کے بے دین جاگیردار اور ملک کی سپورٹ کریں گے مگر جے یو آئی کا کوئی امیدوار ہوا تو اسے ووٹ نہیں دیں گے۔ کسی علاقے میں ف گروپ کا امیدوار کھڑا ہو تو س گروپ بھی اپنا امیدوار کھڑا کرے گا اگرچہ اس کی شکست یقینی ہو۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

جماعتوں کے لیڈر سٹیج پر آ کر کبھی بصد ادب واحترام دوسروں کی شکایت کرتے ہیں، کبھی رمز واشارے سے کام لیتے ہیں ان کے سٹیج پر کیے جانے والے اشارے کنائے اور تعریضات وشکایات کارکنوں تک پہنچ کر کھلم کھلا دشمنی اور مخالفت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ عصبیت دوچند ہو جاتی ہے، عمل کا میدان محدود ہوتا ہے اور قوت اپنوں کے خلاف صرف ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ میں نے ان کی تقاریر سنیں، اخباری بیانات پڑھے انٹرویو سنے۔ کبھی کہیں انہوں نے حلقہ دیوبند کے علماء اور جماعتوں کے بارے میں علانیہ کوئی منفی بات نہیں کی، یہاں تک کہ اشارے کنایے میں بھی نہیں۔ ان کی تقریر اس قسم کی تمام ہزلیات سے پاک ہوتی ہے۔ دیگر اور علماء بھی ہوں گے، اس مزاج اور طبیعت کے میں اس سے انکار نہیں کرتا، مگر میری معلومات میں ابھی تک ان کے علاوہ کوئی نہیں آیا۔

(3) قوت کی تقسیم: یہ تفریق کا تیسرا بڑا اور اہم نتیجہ ہے جو پہلے دو نتائج پر متفرع ہے۔ یہی پہلو سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ کسی کام کے مختلف شعبے اگر کسی نظم کے تحت تقسیم کر دیے جائیں تو وہ ایک دوسرے کے ممد ومعاون ثابت ہوتے اور باہم دگر شعبوں کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ایک نظم میں پروئے ہوئے ہونے کی وجہ سے قوت بظاہر تقسیم ہونے کے باوجود مجتمع ہوتی ہے۔ مگر تفریق میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں کسی مافوق نظم کے بغیر ہر ایک اپنا شعبہ سنبھالتا ہے اور کوشش دوسرے کو مضبوط کرنے کے بجائے یہ ہوتی ہے کہ باقی شعبے ختم ہو جائیں اور یہی جاری رہے۔ یا اس کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ یا یہ سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ دیگر شعبوں کا کام چوں کہ خاص اہمیت کا حامل نہیں اور ان شعبوں میں کام کرنے والے بھی کارآمد نہیں، اس لیے ہم وہ بھی اور یہ بھی کام کریں گے۔ ایسے لوگ بجائے اپنے شعبے پر توجہ دینے کے دوسرے شعبوں کو سدھارنے کا کام سرانجام دینے لگتے ہیں۔ یا یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی شعبے میں کئی کئی ٹیمیں الگ الگ نظم کے ساتھ گھس آتی ہیں۔ ان کے دو اصول ہوتے ہیں ایک یہ کہ دیگر شعبوں کا کام کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جو ہم کر رہے ہیں، وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس شعبے میں کام کرنے والے دیگر لوگ صحیح کام نہیں کر رہے اور ہمارا کام سب سے بہتر ہے۔ اس سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اپنا کام کرنے کے بجائے ایک شعبے میں کام کرنے والے دوسرے افراد ہدف بن جاتے ہیں۔ رفیق وہ ہوتے ہیں جو انہی کے نظم کے تحت کام کریں اور دشمن وہ سمجھے جاتے ہیں جو اس نظم سے ہٹ کر کام کریں۔

یہ بات ایک مثال سے سمجھیے: فوج ایک بڑا ادارہ ہے جس کا اصل کام ملکی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ اس ادارہ میں مزید کئی شعبے اور پھر ان کی بھی ذیلی تقسیم ہے جو اس ادارے کو صحیح طور پر چلانے کے لیے بہت ضروری ہے۔ لوگوں کو فوج

کی طرف راغب کرنا۔ان کو بھرتی کرنا۔ان کی تربیت کا بند بست کرنا۔ان کے کھانے پینے رہنے سہنے علاج معالجے اور کپڑے لتے کا بندوبست کرنا۔ ہرایک کا اور ہر چیز کا مکمل ریکارڈ رکھنا۔اسلحہ خریدنا۔اس کو چالو حالت میں رکھنا اس کے لحاظ سے فوج کو تقسیم کرنا۔ ہرایک ان میں فوج کا شعبہ اوراس کے لیے لازمی ہے۔ ہرایک کی اپنی حدود اور ذمہ داریاں ہیں۔ یہ سب مل کرفوج کواس قابل بناتے ہیں کہ وہ غنیم کا مقابلہ کر سکے۔اس سارے عمل میں جس طرح ایک ڈاکٹر کا حصہ ہے اسی طرح ایک دھوبی کا بھی۔جس طرح ایک انجینئر کی ضرورت ہے اسی طرح ایک درزی اور نائی کی بھی۔جس طرح ایک کلرک اس میں شریک ہے ویسے ہی ایک خریداری کرنے والا بھی۔جس طرح رسد پہنچانے والے ہیں اسی طرح بالفعل لڑنے والے بھی۔ایک شعبے کے لوگ اگر دوسرے میں دخل اندازی شروع کر دیں تو تنظیم پارہ پارہ ہو جائے۔ایک حصہ یہ سمجھنا شروع کر دے کہ ہم ہی ہم ہیں اور کسی کا کوئی کردار نہیں تو ادارہ زمین بوس ہو جائے۔

تفریق کے نتیجے میں یہی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ دین کے مختلف شعبے ہیں ہر شخص جو کام کر رہا ہے وہ اپنی حدود اور ذمہ داری کا احساس کرے۔ دوسرے شعبوں کی تنقیص اوران میں دخل اندازی نہ کرے۔ بلکہ اس بات کو دوسرے کام کرنے والے مسلمان بھائیوں کا احسان سمجھے کہ یہ کام بھی بحیثیت مسلم میرے کرنے کا تھا مگر ایک آدمی ہر طرف پورا نہیں ہوسکتا۔شکر ہے کہ یہ طرف خالی نہ رہی اور انہوں نے اسے سنبھال لیا ہے۔اگر ایسا ہو گیا تو ہر شعبہ دوسرے کا معاون و مددگار بن کر اسلام کی عمارت کو بلند اور مضبوط کر دے گا۔

”دینی مدارس میں تعلیم : کیفیت، مسائل، امکانات“

–ازقلم: پروفیسر سلیم منصور خالد–

جنوبی ایشیا میں دینی تعلیم کی روایت، دینی مدارس کے موجودہ نظام کا شماریاتی جائزہ، طلبہ کا سماجی پس منظر، خدمات اور مجوزہ اصلاحات، مدارس کے خلاف الزامی مہم، تدریسی نظام، درپیش مسائل ومشکلات، حکومت اور دینی مدارس، نصاب تعلیم اور دیگر پہلوؤں کو محیط ایک باحوالہ، مفصل اور مستند دستاویز

[صفحات: ۴۷۲۔ قیمت: ۲۰۰ روپے]

(مکتبہ امام اہل سنت پر دستیاب ہے)